شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ دیوبندی

.....ایک نابغہ روزگار شخصیت.....

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

حضرت شیخ الہندؒ کی وفات پر آپ کے شاگرد رشید حضرت تھانویؒ کا تحریر کردہ مضمون، جس میں حضرت شیخ الہندؒ کے مختلف احوال (خصوصاً تدریس وتواضع) کو نمبروار بیان کیا ہے جو جریدہ ''النور'' جمادی الثانیہ ۱۳۳۹ھ میں شائع ہوا تھا۔

بعد حمد وصلوٰۃ، مجھ سے میرے بعض اعزہ نے فرمائش کی کہ کچھ مختصر تذکرہ امام العلماء مقدام العرفاء واستادی حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ کا لکھ دوں، میں نے کافی واقعات وحالات پر محیط نہ ہونے کا عذر کیا۔ عزیز موصوف نے کہا، جیسا 'یادِ یاراں' میں حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ کے بعض متفرق ومختصر واقعات بہت ہی قلیل مقدار میں لکھ دیئے ہیں، اسی انداز پر لکھ دیا جائے، پھر ہم لوگ اس کے ساتھ خود منضم کرلیں گے، چونکہ اس مقدار اور اس طرز میں لکھنے سے کوئی عذر نہ تھا اور مقبولین کے تذکرہ کا موجب برکت وسعادت ہونا معلوم ومسلم ہے، اس لئے بنام خدا یہ چند سطریں لکھتا ہوں اور اس کا لقب 'ذکر محمود' تجویز کرتا ہوں، جس کی دونوں ترکیبیں ہوسکتی ہیں، خواہ موصوف وصفت کہئے، خواہ مضاف ومضاف الیہ اور اول اولیٰ ہے، مع اشارہ کے ثانی کی طرف۔ واللہ الھادی الی الصواب وھوالمیسر لکل صعاب۔

(۱).....سب سے پہلے جو حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی زیارت وصحبت سے مشرف ہوا، وہ زمانہ تھا، جس میں تحصیل درسیات کے لئے دیوبند کے مدرسہ عالیہ میں حاضر ہوا اور منجملہ اسباق مجوزہ کے ملاحسن اور مختصر معانی کا سبق مولانا کے متعلق ہوا، یہ زمانہ ۱۲۹۵ھ کا اخیر تھا، یعنی ذیقعدہ کا مہینہ تھا، مولانا اس وقت مدرس رابع تھے اور مدرس اول حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور مدرس دوم حضرت مولانا سید احمد صاحب اور مدرس سوم حضرت مولانا محمد محمود صاحب تھے۔ رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ۔

(۲).....مولانا اس وقت بالکل جوان تھے اور لباس بہت نفیس پہنتے تھے اور بندوق سے شکار کا مشغلہ بھی بکثرت

فرماتے تھے۔حضرت مولانا قاسم العلوم قدس سرہ بھی دیوبند تشریف فرما تھے، مدرسہ آپ کی سرپرستی میں تھا، درس سے فارغ ہوکر زیادہ وقت حضرت قدس سرہ کی خدمت میں صرف فرماتے تھے۔

(۳).....مولانا کی ذہانت وفطانت تو خداداد فطری تھی، اس پر شباب کے رنگ نے سونے پر سہاگہ کا کام دے رکھا تھا۔اس قدر تیزی تھی کہ سبق شروع ہونے کے وقت جس جگہ نشست ہوتی تھی، ختم ہونے تک اس جگہ سے بہت آگے بڑھ آتے تھے، مگر تقریر باوجود تیزی وروانی کے سلاست اور ارتباط اور ترتیب اس درجہ تھی کہ مفہوم کتاب کا آئینہ ہوجاتا تھا۔

(۴).....عادت شریفہ تقریر کتاب میں یہ تھی کہ اکثر نفس مطلب پر اکتفا فرماتے تھے، جس کا نتیجہ کتاب کا جلدی نکلنا۔کتاب سے طالب علم کو کامل مناسبت اور اس سے کامل استعداد ہوجاتا تھا۔حسن واجازت ووضاحت تقریر میں مولانا کا ثانی غالباً اب تک بھی ذہن میں نہیں ہے۔''وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء''

(۵).....متعسفانہ سوال کے مقابلے میں الزامی مسکت جواب تو ایسا ہوتا تھا کہ طالب علم منہ تک کے نقش دیوار کی طرح رہ جاتا تھا اور اکثر ایسے جواب میں ایک لطیف مگر چبھتا ہوا مزاح بھی شامل ہوتا تھا، جو انتہا کی تہذیب کے ساتھ نفس کا پورا معالجہ ہوتا تھا۔

(۶).....مذکورہ اسباق کے سلسلے میں احقر کے اسباق فراغ درسیات تک مولانا کی خدمت میں رہے۔معقولات میں حمداللہ، میرزاہد رسالہ، میرزاہد ملاجلال اور حدیث میں متعدد کتب جن کی تفصیل رسالہ سبع سیارہ میں ہے اور فقہ میں ہدایہ اخیرین تو اس وقت مولانا سے پڑھنا یاد ہے۔باقی شاید سوچنے سے یاد آجائے۔

(۷).....معمول یہ تھا کہ جب طالب علم عبارت پڑھ چکتا تو لانبی (لمبی) سے لانبی عبارت کا نہایت مختصر اور جامع خلاصہ ایسا بیان فرمادیتے کہ پھر طالب علم کو اس کی تفصیل کو سمجھ لینا آسان سے زیادہ آسان ہوجاتا، گویا اس تفصیل کا اس اجمال پر منطبق کرنا ہی رہ جاتا اور مطلب سمجھنے میں ذرا برابر گنجلک نہ رہتی، یہ بھی منجملہ کمالات خاصہ تھا۔

(۸).....معمول مذکورہ ۷ کی یہ برکت تھی کہ کتابیں اس طرح جلد جلد ختم ہوتی تھیں، جیسے کوئی مشین میں ڈھالتا ہو، حتیٰ کہ ہدایہ اخیرین کا ایک معتدبہ حصہ بلاترجمہ ہی نہایت سہولت سے پڑھنا یاد ہے۔

(۹).....حدیث میں گاہ گاہ تلامذہ کی درخواست پر خود بھی عبارت پڑھتے، جس کی روانی اور مفہم لہجہ کا لطف مشاہدہ ہی سے معلوم ہوتا ہے اور خوبی یہ ہے کہ درمیان درمیان ایسے وقفات لطیفہ بھی ہوتے تھے کہ جس کا دل چاہے، اپنے شبہات وسوالات اطمینان سے حل کرسکے، اس حالت کے جوابات میں ایک خاص اختصار اور اسکات کی شان ہوتی تھی۔

(۱۰).....احقر کو زمانہ طالب علمی میں ہر فرقہ کے ساتھ مناظرہ کرنے سے ایک خاص دلچسپی تھی، جیسی اب اس سے

اس درجہ نفرت ووحشت بھی ہے، دیوبند میں ایک بار عیسائی منادیوں کا ایسا سلسلہ لگا کہ مسلسل یکے بعد دیگرے آتے اور بازار میں تقریریں کرتے، احقر سنتے ہی پہنچتا اور گفتگو کرتا۔ ایک بار ایک بڑا پادری جو یورپین تھا، زیادہ مجمع وسامان کے ساتھ آیا اور ایک باغ متصل اسٹیشن میں خیمے نصب کر کے ٹھہرا، احقر مع چند طلبہ کے وہاں بھی پہنچا اور اس سے گفتگو شروع کی، کسی نے حضرت مولانا کو خبر پہنچادی، اس شفقت کی کچھ حد ہے کہ صرف یہ خیال کر کے کہ کم عمر اور ناتجربہ کار ہے، کہیں مرعوب نہ ہو جائے، خود اس باغ میں تشریف لائے اور مجھ کو ہٹا کر خود گفتگو شروع فرمائی، اس نے نام پوچھا، آپ نے فرمایا، نھا، وہ معمولی آدمی سمجھ کر گفتگو کے لئے تیار ہو گیا، مجھ کو خوب یاد ہے کہ اس گفتگو میں یہ بھی تھا کہ اس نے کہا، عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ ہیں، مولانا نے اس کی تفسیر پوچھی تو وہ نہ بتلا سکا، اس میں مزاحاً یہ سوال بھی فرمایا کہ کلمے کے یہ اقسام ہیں، پھر ان اقسام کے یہ اقسام ہیں، عیسیٰ علیہ السلام ان میں سے کلمہ کی کون سی قسم تھے تو وہ منہ دیکھ رہا تھا اور جواب میں پریشان تھا، آخر اس کی میم نے یہ حالت معلوم کر کے ایک رقعہ بھیج کر اس کو بلالیا اور اس نے جان چھڑا کر چلے جانے کو غنیمت سمجھا، ہم سب لوگ خوش بخوش مدرسہ واپس آئے۔

(۱۱)......اسی زمانہ میں مولانا کو شغل تصنیف سے بھی دلچسپی تھی، چنانچہ ادلہ کاملہ کا جواب جو غیر مقلدین کی طرف سے موسوم بمصباح الادلہ لکھا گیا تھا، حضرت مولانا نے اس کا جواب لکھا جو مطبوع بھی ہو گیا ہے، جس کا نام ایضاح الادلہ ہے، پھر مختلف زمانوں میں دوسرے رسائل بھی لکھے، جن میں دو اس وقت یاد ہیں، ایک احسن القریٰ، دوسرا جہد المقل، جن کی حسن وخوبی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے اور سب سے انفع اور ارفع تصانیف میں قرآن مجید کا ترجمہ ہے، جو اخیر عمر میں لکھا گیا ہے، اس میں جن فوائد ولطائف کا التزام واہتمام فرمایا گیا ہے، ان کی تحقیق وتفصیل اس کے مقدمے میں تحریر فرمائی گئی، جو میرے نزدیک بجائے خود وہ ایک مستقل رسالہ ہے، ایسا کہ اگر کوئی صاحب علم مجموعہ ترجمہ کو بھی نہ دیکھے تو خود اس مقدمے کو تو دیکھ لینا ضروری ہی ہے۔

تواضع:......تواضع وخلوص کی صفت حق تعالیٰ نے ایک خاص ممتاز شان سے عطا فرمائی تھی، جس کے بعض آثار یہ تھے، جو یہاں سے نمبر۲۲ تک مذکور ہیں:

(۱۲)......تلامذہ کے ساتھ اس طرح اختلاط وارتباط وانبساط رکھنا کہ دیکھنے والا کبھی نہ سمجھ سکے کہ یہ اس مجمع کے مخدوم ہیں۔

(۱۳)......بعضے خدام کے ساتھ جن میں کوئی خاص خصوصیت ہوتی، مثلاً مولانا کے کسی استاد یا بزرگ کی اولاد میں سے ہونا یا عوام مسلمین کے نزدیک معظم ہونا ونحو ذلک، ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا جس سے اجنبی شخص کو شبہ ہو سکے خادم پر مخدوم ہونے کا۔ جب خدام کے ساتھ یہ معاملہ ہو تو مساوی یا بڑوں کے ساتھ معاملہ کا اسی سے موازنہ کر لیا جائے۔

(۱۴)......ایک بار احقر کے پاس ایک سرفراز نامہ آیا، جس میں القاب میں مخدوم ومکرم کے الفاظ تھے، میں بے

حد شرمندہ ہوا اور میں نے عریضہ میں اپنی اس خجلت کو ظاہر کر کے درخواست کی کہ ایسے الفاظ تحریر نہ فرمایا کریں، اس کے بعد جو والا آیا، پھر اس میں وہی الفاظ، آخر میں نے عرض کیا کہ میری درخواست منظور ہونے سے معلوم ہوا کہ حضرت کو اسی میں راحت ہے، گو مجھ کو کلفت ہے، مگر میں حضرت کی راحت کو اپنی راحت پر مقدم سمجھتا ہوں، اب جو مرضی ہو، اختیار فرمایا جائے، میں گوارہ کروں گا۔

(۱۵)......کسی سے کسی خدمت کی فرمائش کرنے کی عادت نہ تھی، بلکہ اکثر مہمانوں کے لئے کھانا مکان سے اپنے ہاتھ میں لاتے اور خود کھلاتے۔

(۱۶)......ایک بار احقر کی درخواست پر مدرسہ جامع العلوم کانپور کے جلسہ دستار بندی میں رونق افروز ہوئے اور احقر کے بے حد اصرار پر وعظ فرمانے کا وعدہ فرمایا، جامع مسجد میں وعظ شروع ہوا، جناب مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی رحمتہ اللہ بھی کانپور تشریف لائے ہوئے تھے، میری عرض کرنے پر جلسہ میں تشریف لائے اور عین اثنائے وعظ میں تشریف لائے، اس وقت ایک بڑا عالی مضمون بیان ہو رہا تھا، جس میں معقول کا ایک خاص رنگ تھا، ہم لوگ خوش ہوئے کہ ہمارے اکابر کی نسبت معقولات میں مہارت کم ہونے کا شبہ آج جاتا رہے گا اور سب دیکھ لیں گے کہ معقول کس کو کہتے ہیں، مولانا کی جوں ہی مولانا علی گڑھی پر نظر پڑی، فوراً وعظ بیچ ہی میں سے قطع کر کے بیٹھ گئے۔ مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی بوجہ ہم درس ہونے کے بے تکلف تھے، انہوں نے دوسرے وقت عرض کیا کہ یہ کیا کیا، یہی تو وقت تھا بیان کا، فرمایا ہاں یہی خیال مجھ کو آیا تھا، اس لئے قطع کر دیا کہ یہ تو اظہارِ علم کے لئے بیان ہوا نہ کہ اللہ کے واسطے، سبحان اللہ یہ ہیں حقیقی کمالات۔

(۱۷)......ثقات سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ مراد آباد میں وعظ کی درخواست کی گئی، بہت کچھ عذر کے بعد منظور فرمایا اور بیان شروع ہوا، حدیث یہ تھی: ”فقیہ واحد اشد علی الشیطن من الف عابد“ اشد کے ترجمہ کا حاصل بھاری کے لفظ سے فرمایا، مجلس میں ایک پرانے عالم تھے، جو محدث کے لقب سے معروف تھے، انہوں نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ اشد کا ترجمہ غلط کیا گیا، ایسے شخص کو وعظ کہنا جائز نہیں تو مولانا بے ساختہ کیا فرماتے ہیں کہ حضرت مجھ کو تو پہلے سے معلوم ہے کہ مجھ جیسے شخص کو وعظ کہنا جائز نہیں اور میں نے ان صاحبوں سے اسی واسطے عذر بھی کیا تھا، مگر انہوں نے مانا نہیں، اب بہت اچھا ہوا، حضرت کے ارشاد سے بھی میرے عذر کی تائید ہوگئی ہے اور بیان سے بچ گیا، حاضرین کو تو جس قدر ناگواری ہوئی، اس کا کچھ پوچھنا نہیں، دانت پیستے تھے کہ یہ کیا لغو حرکت تھی، گو مولانا کے ادب سے کچھ بول نہ سکتے تھے، مگر مولانا نے بجائے ناگوار سمجھنے کے یہ کمال کیا کہ نہایت سکون کے ساتھ ان کے پاس جا کر ان کے سامنے ادب سے بیٹھ کر نہایت نیازمندی کے لہجے میں ارشاد فرمایا کہ حضرت غلطی کی وجہ معلوم ہو جائے تو آئندہ احتیاط رکھوں گا، انہوں نے کڑک کر فرمایا کہ اشد کا ترجمہ آپ نے اثقل سے کیا، یہ کہیں منقول نہیں، اضر سے کرنا چاہئے، مولانا نے فرمایا، اگر کہیں

منقول ہوتو؟انہوں نے کہا: کہاں ہے؟مولانا نے فرمایا،حدیث وحی میں ہے،کسی نے پوچھا،''کیف یاتیك الوحی'' جواب میں ارشاد ہوا:'' یاتینی احیانا مثل صلصلة الجرس وھوا شدہ علیّ ''اورظاہر ہے کہ یہاں اضر کے معنی ممکن نہیں،اثقل ہی کے معنی صحیح ہوسکتے ہیں،بس یہ سن کران کا رنگ فق ہوگیا،مگر مولانا نے نہ کچھ اس پر فخر کیا،نہ دوبارہ بیان شروع فرمایا،لیکن ان کی یہ ہمت نہ ہوئی کہ اپنی غلطی کا اعلان فرمادیں۔'' وذلك فضل اللہ یوتیہ من یشاء ولنعم ماقیل''

نہ ہر کہ چہرہ برا فروخت دلبری داند نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند
ہزار نکتۂ باریک تر زمو اینجاست نہ ہر کہ بتر اشد قلندری داند

(۱۸).....یہ بھی بعض ثقات سے سنا ہے کہ حضرت مولانا نے ارشاد فرمایا کہ بارہا حاضری گنگوہ کے وقت خیال ہوا کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ سے حدیث کی اجازت کی درخواست کروں،مگر معاً ہی یہ خیال مانع ہوگیا کہ اگر حضرت پوچھ بیٹھیں کہ تجھ کو آتا ہی کیا ہے جو حدیث کی سند مانگتا ہے تو کیا جواب دوں گا،بس یہ سوچ کر چپ رہ گیا،اللہ اکبر کچھ حد ہے تواضع کی۔

(۱۹).....جیسے شباب ہی میں لطافت مزاج کے سبب نفیس پوشش مرغوب تھی،اب غلبہ تواضع کے سبب اس قدر سادہ لباس اور جوتہ اور سادی ہی وضع اختیار فرمائی تھی،جیسے مساکین کی وضع ہوتی ہے،وضع سے کوئی شخص یہ بھی گمان نہ کرسکتا تھا کہ آپ کو کسی قسم کا بھی امتیاز مالی،جاہی،علمی حاصل ہے،حالانکہ ع آنچہ خوباں ہمہ.....تو تنہا داری۔

(۲۰).....میں نے کبھی نہ دیکھا،نہ سنا کہ آپ نے کبھی امامت فرمائی ہو۔

(۲۱).....میرے سامنے کا قصہ ہے کہ مدرسہ عالیہ دیوبند میں اہل علم کا ایک خاص جلسہ تھا،جس میں اس پر کلام ہورہا تھا کہ آج کل طلبہ اکثر بداستعداد کیوں ہوتے ہیں اور سب متفقاً اس کا سبب طلبہ کی کوتاہیوں کو بتلا رہے تھے،مثلاً مطالعہ نہ دیکھنا،سمجھ کر نہ پڑھنا،اپنی رائے سے سبق شروع کردینا،سبق چھوڑ دینا،ومثل ذلک.....ایک صاحب جو کسی مدرسہ میں مدرس تھے اور حضرت مولانا کے شاگرد بھی تھے اور طبعاً ذرا دلیر تھے،بے ساختہ بول اٹھے کہ کیوں حضرات سب طلبہ ہی پر الزام ہے،مدرسین کی کوئی خطا نہیں،حضرت مولانا نے فرمایا،ہاں بھائی،وہ تم بتلاؤ،وہ بولے،کیا یہ مدرسین کی غلطی نہیں ہے کہ کسی طالب علم نے کوئی بات پوچھی،بجائے اس کے کہ شفقت سے اس کا شبہ رفع کریں،جھاڑ کی طرح اس کے پیچھے لگ گئے اور الزامی جوابوں سے اس کے سر ہوگئے،وہ بے چارہ خوف زدہ ہوکر چپ رہ گیا اور وہ شبہ جوں کا توں رہ گیا تو اس فن میں کیا استعداد ہو،تو مولانا کیا فرماتے ہیں کہ ہاں بھائی سچ کہتے ہو،یہ عیب تو میرے اندر بھی ہے،وہ بیچارے بیحد شرمندہ ہوئے کہ حضرت واللہ جو میرا یہی مقصود ہو،نعوذ باللہ حضرت کو تھوڑا ہی کہتا ہوں،ہنس کر فرمانے لگے،تم نہ کہو،مجھ کو تو معلوم ہے،میں تو کہتا ہوں۔

(۲۲).....بعضے درشت و نادرست مزاج طلبہ درس میں بہت ہی بے ادبی کے الفاظ کہہ ڈالتے تھے،مگر حضرت مولانا

کوکبھی اس پر تغیر نہیں ہوا، اس وقت کوئی خاص ... حاضر نہیں۔

(۲۳)...... یہ میری نادانی ہے، یا کم ہمتی ... رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مکاتبت کا بہت ہی کم اتفاق ہوا اور جو بعض اوقات اس کی نوبت بھی آئی اور ... بالا التزام ہوا تو ان کی حفاظت کا کچھ التزام نہیں ہوا اس وقت کل تین والا نامے محفوظ یاد آجاتے ہیں ... یر کے متعلق ایک سوال کے جواب میں ہے کہ جو تتمہ بلا رابع فتاوی امدادیہ صفحہ نمبر ۳۲۶ میں مطبوع ہوگیا ہے، وہاں ملاحظہ فرمالیا جائے اور دو معمولی مضمون کے ہیں، ان کو ذیل میں برکت کے لئے نقل کرتا ہوں، حضرت کے مذاق ... اضع وشفقت پر دلالت کے لئے یہ بھی دو شاہد عدل سے کم نہیں ہیں۔

(۱) سراپا فضل وکمال شرفکم اللہ تعالیٰ ونفعکم وخلق کثیر من الناس، السلام علیکم ورحمۃ اللہ ... رہا آپ کی خیریت معلوم ہونے کا داعیہ پیدا ہوا اور ایک دو دفعہ بعض آئندگان کی زبانی آپ کی خیریت ... بھی ہوئی، اللہ تعالیٰ آپ کو مع جملہ متعلقین خیریت سے رکھے، اس وقت ایک صاحب بنگالی مسمی عبدالمجید ... نا نا نوتہ ہوئی، جو ہندوستان واپس ہورہے ہیں اور جناب کی خدمت میں حاضر ہونے کا قصد رکھتے ہیں ... خیریت معلوم ہوا، اس لئے ... روانہ کرتا ہوں ... بندہ مع رفقاء بحمد اللہ اس وقت تک بالکل خیریت ... ان سے ہے، ... وقت تک یہیں حاضر ... مجھ کو ... فرمادیں ... آئندہ قیام کی ... پچھ ... رسکتا، ... صاحب، مولوی ظ... صاحب، ... ی عبداللہ صاحب وغیرہ حضرات سے سلام مسنون فرمادیجئے، مولانا مولوی محمد یحییٰ صاحب، مولانا قمرالدین صاحب کی وفات سے افسوس بر افسوس ہے، انا اللہ ... رحمہ اللہ تعالیٰ۔

والسلام علیکم وعلی من لدیکم

فقط بندہ محمود عفی عنہ، منشی رفیق احمد صاحب کی خدمت میں سلام خدا کرے، ان کا رسالہ روبہ ترقی ہو، مکہ معظمہ ۱۲ محرم چہار شنبہ۔

(۲) معدن حسنات وخیرات دام ظلکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ نا... می موجب مسرت وامتنان ہوا، جو ہوا مکرمین ومخلصین کی ادعیہ مقبولہ کا ثمرہ ہے، ادام اللہ فیوضہم وبرکاتہم احقر اور رفقاء ومتعلقین بحمد اللہ خیریت سے ہیں، سب کا سلام مسنون قبول ہو، والسلام علیکم وعلی من لدیکم فقط۔ بندہ محمود عفی عنہ از دیوبند دوئم شوال روز یکشنبہ۔

(۲۴)...... حضرت کے انصاف اور حق پرستی اور رعایت دین کا نمونہ ایک قصہ سے واضح ہوتا ہے، ایک قصہ میں ایک رئیس اور عالم کے یہاں جو اپنے ہی مجمع کے ہیں، ایک تقریب تھی، احقر بھی اس میں مدعو تھا اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بھی اور دیگر حضرات بھی وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ رسوم بدعت میں سے کوئی رسم وہاں نہیں اور کیونکر ہوتی، جبکہ صاحب تقریب خود بدعت سے مانع تھے، مگر عام برادری کی دعوت تھی۔ جس کو میں بنا بر تجربہ رسوم تفاخر میں سے سمجھتا ہوں اور جن

اکابر پر حسن ظن غالب ہے، اس میں توسع فرماتے ہیں، چنانچہ اسی تفاوت کا یہ اثر ہوا کہ میں تو بلا شرکت واپس آ گیا اور دیگر حضرات نے شرکت کی، خود اپنے ہی مجمع میں اس کا مختلف عنوانوں سے بڑا غوغا ہوا اور مجھ سے تو جب اس اختلاف کے متعلق کسی نے سوال کیا، میں نے تو بزرگوں کے ادب کی رعایت ہی مدنظر رکھ کر جواب دیا، مگر عجیب بات یہ ہے کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے بھی جو بعض نے سوال کیا تو باوجود حضرت کے ذمہ اس احقر کی رعایت کی کون سی ضرورت تھی لیکن جو جواب عطا فرمایا، اس میں جس درجہ رعایت ہے، وہ قابل غور ہے، وہ جواب یہ تھا کہ واقعی بات یہ ہے کہ عوام کے مناسد کی جس قدر فلاں شخص (یعنی احقر) کو اطلاع ہے، ہم کو اطلاع نہیں، اس لئے اس نے احتیاط کی، حقیقت یہ ہے کہ ہیچ بر بن نکتہ جاں فشانم رواست۔ یہ جواب مجھ سے بعض ثقات نے نقل کیا۔

(۲۵)...... اس قصہ مذکورہ ملا کی نظیر اسی انصاف اور حق پرستی اور رعایت کا نمونہ یہ قصہ ہے (اور اس وقت اسی پر ذکر محمود کو ختم بھی کروں گا) کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ جب مالٹا سے تشریف لائے تو بعض خاص اسباب سے بعض خاص معاملات میں بعض خاص خیالات ظاہر فرمائے اور علماً وعملاً ان میں حصہ لیا جس کا منشا خلوص کے ساتھ اسلام و اہل اسلام کی ہمدردی تھی، چونکہ یہ مسائل اجتہادی تھے جن میں شرعاً گنجائش اختلاف کی ہوتی ہے اور ان میں بعض پہلو دنیوی و دینی خطرات بھی رکھتے تھے، جو شرعاً واجب التحرز تھے، بعض اہل علم نے ان خطرات پر نظر کر کے ان تحریکات میں رایاً وعملاً شرکت نہیں کی اور احقر کا خیال بھی ان ہی علیحدگی رکھنے والوں کے موافق تھا اور اس علیحدگی کو اکثر اہل محبت مفرط نعوذ باللہ حضرت کی مخالفت سمجھتے تھے، مگر خود حضرت کی یہ کیفیت تھی کہ جب میں زیارت کے لئے دیوبند حاضر ہوا تو میرے ساتھ میرے ایک دوست بھی تھے، جو ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے اور حضرت رحمۃ علیہ کے شاگرد تھے، وہ مجھ سے کہتے تھے کہ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ اشرف اس وقت آیا ہوا ہے، اگر ان امور میں گفتگو فرمالیجئے تو شاید رائے متفق ہو جائے۔ ارشاد فرمایا کہ نہیں مناسب نہیں، جو شخص اپنا خیال کرتا ہو، اس سے ایسی گفتگو کرنا مناسب نہیں، نیز گفتگو سے رائے نہیں بدلا کرتی، واقعات سے بدلا کرتی ہے، اللہ اکبر یہ انصاف، و رعایت کی کچھ حد ہے، نیز ایک صاحب اس مجمع کے متعلق کہتے تھے کہ دیوبند حاضر تھے، بعض لوگ احقر کی شکایتیں ان معاملات میں کر رہے تھے، حضرت نے سن لیا، فرمایا کہ افسوس تم ایسے شخص کی شکایتیں کرتے ہو جس کو میں ایسا ایسا سمجھتا ہوں (یہاں بعض الفاظ میری شان سے بہت ارفع ہیں، اس لئے میں نے ان کو نہیں لکھا کہ چہ نسبت خاک را باعالم پاک) اور یہ بھی فرمایا کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں، کیا مجھ پر کوئی نازل ہوئی ہے، میری ایک رائے ہے، سو اس کی (یعنی احقر کی) بھی ایک رائے ہے، اس میں اعتراض و شکایت کی کیا بات ہے۔

بعض لوگوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ان ہی تحریکات کی تقویت کے لئے تھانہ بھون لانا چاہا اور درخواست کی تو ایک شخص کہتے تھے کہ حضرت نے یہ جواب دیا کہ وہاں فلاں شخص (یعنی احقر) موجود ہے، میرے جانے سے اس کو تنگی

ہوگی، کیونکہ موافقت تو اس کی رائے کے خلاف ہوگی اور عدم موافقت سے شرمائے گا۔ اس لئے وہاں نہیں جاتا۔ سبحان اللہ، اللہ اکبر میں تو اکثر اوقات اپنے بزرگوں کے ایسے کمالات پیش کر کے دوسری جماعتوں کو خطاب کر کے کہا کرتا ہوں۔

اولئك آبائی فجئنی بمثلهم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

خاتمہ:.....اب اس کو ختم کرتا ہوں اور حسرت کے ساتھ تاریخ وفات سے اطلاع دیتا ہوں کہ بتاریخ اٹھارہ ربیع الاول ۳۹ھ یوم سہ شنبہ رہگذارے عالم بقا ہوئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون اس احقر نے محض سہولت یادداشت کے لئے ایک مادہ تاریخ کا سوچا ہے، گو فصیح نہیں ہے اور اس پر مصرع بھی لگا دیئے، گو شاعر نہیں ہوں، وھو ہذا۔ قطعہ

آہ حضرت شیخ محمود الحسن راہی جنت شد از دارالمحن
گفت ہاتف چوں بخستم سال او واصل درگاہ جاناں ذوالمنن

اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حاضر باش خواص سے امید رکھتا ہوں کہ اگر وقت ملے تو حضرت کے کمالات علمیہ وعملیہ کا مبسوط تذکرہ تحریر فرمادیں، خصوص مولانا حبیب الرحمٰن صاحب، مولانا شبیر احمد صاحب و مولانا حسین احمد صاحب سلمہم اللہ تعالیٰ کی توجہ سے اس مقصود کی تکمیل میں بہت کچھ آسانی کی توقع ہوتی ہے۔'' واللہ الفاتح لکل ابواب اخیرات وھو الموفق لاتمام الصالحات''۔

کتبہ، ارذل تلامذۃ صاحب التذکرۃ، الاحقر اشرف علی رزقہ اللہ التقوی والمغفرہ۔

ثالث عشر من جمادی الاولی ۱۳۳۹ھ۔

تقسیم اور علمائے دیوبند

ہندوستان کے مسلمانوں میں دو نظریئے تقسیم ہند سے بہت پہلے چلے آرہے تھے، ایک یہ کہ مسلمان اقلیت میں ہیں، ان کو ہندوستان میں دوسری اقوام کے ساتھ مل کر سیاسی جدوجہد کرنی چاہئے، ورنہ اکثریت کے خلاف رہ کر کسی سعی وکوشش کا کامیاب وبارآور ہونا بڑا مشکل ہے۔ دوسرا نظریہ یہ تھا کہ ہندو ایک تنگ نظر قوم ہے، اس کے ساتھ اتحاد کر کے مسلم قوم کسی مقصد تک نہیں پہنچ سکتی، اس لئے مسلمانوں کو اپنی جدوجہد الگ اور مستقل کرنی چاہئے، اکابر علمائے دیوبند ان دونوں نظریوں میں مختلف رہے، دونوں طرف اکابر بھی تھے اور دلائل بھی تھے، مقصد دونوں کا ایک تھا لیکن لائحہ عمل اور طریقہ کار میں رائے کا اختلاف تھا۔ جب آزادی کی تحریک اپنے انجام کے قریب پہنچ رہی تھی، تو تقسیم ہند کی تحریک نے بھی زور پکڑا، مسلم لیگ نے تقسیم کا پرچم اٹھایا تو حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند اور ان کے ہم خیال علماء نے تقسیم ملک کی حمایت میں مسلم لیگ کی تائید کی، جنہیں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی حمایت وتائید حاصل تھی۔ دوسری طرف جمعیت علمائے ہند نے تقسیم ملک کو مسلمانوں کے مستقبل کے لئے ضرر رساں باور کیا۔ اس لئے انہوں نے تقسیم کی مخالفت کی۔ ان علماء کی قیادت حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین مدنیؒ اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ کر رہے تھے، یہاں سوال پاکستان کی مخالفت یا حمایت کا نہیں تھا، جیسا کہ پروپیگنڈائی شور وغوغا کے ذریعے باور کرایا جارہا ہے۔ بلکہ سوال دراصل یہ تھا کہ آزادی کی کون سی صورت مسلمانوں کے لئے مستقبل میں مفید، بہتر اور کامیابی کی ضامن ہوگی، اس میں تو وحی کسی پر نازل نہیں ہورہی تھی، فیصلہ انسانی سوچ اور رائے ہی کو کرنا تھا اور انسانی رائے میں خطاء وصواب دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔